اسلام اور تعلیم بالغاں

ڈاکٹر غلام محمد

اسلام کی بنیاد جب قرآن پر ٹھہری تو اب یہ ثابت کرنا کیا ضروری رہا کہ اسلام ہی تعلیم و تعلم کا ضامن ہے اور جب اسلام کا مقصد انسانیت کی کامل اصلاح اور مکمل فلاح ہے تو قرآنی تعلیم کے "غیر مقصدی" ہونے کا وسوسہ بھی کیوں ذہن میں آنے پائے۔ البتہ دیکھنا یہ ہے کہ اس کا طریق تعلیم و تربیت کیا ہے۔؟

یہ تو مسلم ہے کہ داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام جس قوم میں مبعوث ہوئے وہ اعتقاد و اخلاق کی بدترین مثال تھی اور اس کی بنیادی وجہ اس کی جہالت ہی تھی۔ ایسی قوم کو ۲۳ برس کی قلیل مدت میں خود اعتقادی اور بلند کرداری کا نمونہ ہی نہیں بلکہ علم بنا دینا بلاشبہ پیغمبر اسلام کا ایک معجزانہ کارنامہ تھا لیکن اس انقلاب رحمت کے کچھ اصول بھی تھے جو ملحوظ رکھے گئے اور بعض طریقے بھی تھے جو برتے بھی گئے۔ نبی کریمؐ کی اس سنت میں ہمارے لیے ہدایت کے وہ سامان موجود ہیں جس سے تعلیم بالغاں کی مہم بآسانی سر ہو سکتی ہے۔

ذرا غور تو فرمائیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مخاطب اول کون تھا؟ کیا وہ بچے تھے؟ ہرگز نہیں، بلکہ وہ وہی لوگ تھے جو "بالغین" کی تعریف میں آتے ہیں۔ ان ہی بالغین کی ذہنی و فکری اصلاح اور تزکیۂ نفس کے ذریعہ کم سے کم وقت میں بہتر سے بہتر نتائج برآمد ہو گئے تھے اور جو پست تر تھے وہ دیکھتے ہی دیکھتے ساری دنیا میں برتر ہو چکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب اول طبقہ میں خواندہ بھی تھے اور ناخواندہ بھی، کور دماغ بھی تھے اور کج فہم بھی، آمادۂ اصلاح بھی تھے اور ضدی اور ہٹ دھرم بھی۔ ان کی اصلاح کا جو نہج اس وقت اختیار کیا گیا تھا اور مدت تک کامیابی کے ساتھ رہا وہی نہج آج بھی جزوی تبدیلی کے ساتھ ہمارے لیے مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ قیام مکہ ہی کے زمانہ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیرؓ اور ابن مکتومؓ کو بیعت عقبۂ اولیٰ کے بعد ہی اس مشن کے ساتھ مدینہ بھیجا کہ وہ لوگوں میں قرآن کی تعلیم عام کریں پھر ہجرت کے بعد اس میں اور زیادہ ترقی ہوئی اور مسجد نبوی کی سجدہ گاہ اصحاب صفہ کے فیض سے ایک مستقل

© rasailojaraid.com

درس گاہ بن گئی۔ یہاں درس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک شخص قرآن پاک پڑھتا اور سب اس کو سنتے اور سمجھتے جاتے تھے اس کے علاوہ ہر انصاری کا گھر ایک مکتب بنا ہوا تھا جو مہاجر باہر سے آتے اور انصار کے سپرد کیے جاتے تو مہمانداری کا سب سے بڑا فریضہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی تعلیم ہی تھا چنانچہ وفد عبد القیس جب واپس چلا ہے تو اس کے معترفانہ الفاظ یہ تھے: اِنَّ الْاَنْصَار یعلمونا کتاب ربنا وسنۃ نبینا یعنی "انصار ہم کو ہمارے خدا کی کتاب اور ہمارے پیغمبر کی سنت سکھاتے ہیں"

تعلیم بالغان کا یہ طریقہ اس وقت تک قائم رہا جب تک مسلمان اپنی کوئی حکومت و سلطنت نہ رکھتے تھے۔ پھر جب وہ حاکم بن گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو امراء وعمال مختلف علاقوں میں مقرر فرمائے ان کا سب سے مقدم فریضہ کتاب و سنت کی تعلیم ہی قرار پایا۔ مثلاً آپ نے معاذ ابن جبلؓ کو یمن کا عامل مقرر فرمایا تو اس تقرر کا مقصد یہ قرار دیا کہ: لیعلم الناس القرآن وشرائع الاسلام یعنی "تاکہ وہ لوگوں کو قرآن اور شرائع اسلام کی تعلیم دیں"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا سے پردہ پوشی کے بعد خلفائے راشدین نے اس مقصد کو اور زیادہ فروغ دیا خصوصاً حضرت عمرؓ نے مختلف صحابہ کرام کو جو قرآن و حدیث یا فقہ کے ماہر تھے، اس تعلیمی مقصد کے تحت مملکت کے طول و عرض میں پھیلا دیا، اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

عبادہ بن صامتؓ حمص پہنچے۔ ابو الدرداءؓ دمشق میں ٹھہر گئے۔ معاذ ابن جبلؓ فلسطین کے مقیم بن گئے۔ عمران بن حصینؓ بصرہ میں جم گئے۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے مدائن کو عزت بخشی۔ حذیفہ بن اسحاقؓ مصر کے لیے باعث رونق بن گئے۔ اور خاص مسجد نبوی میں جابر بن عبداللہؓ کو خدمت تعلیمی کا شرف ملا

خلافت راشدہ کے دور میں علم کا سیکھنا اور سکھانا جزو مذہب اور عین عبادت تھا۔ اس لیے اس پر ہدیہ لینا ممنوع تھا۔ پھر چونکہ اس وقت "علم بلا عمل" کا تصور تک ناپید تھا۔ اس لیے علم کی اشاعت اور اخلاق کی تربیت ہاتھ میں ہاتھ دیے چل رہی تھی، البتہ نہ تو تعلیم کا کوئی نصاب مقرر تھا، نہ مدت تعلیم کا کوئی تعین۔ ہر شخص کو آزادی تھی کہ اپنے رجحان طبع کے مطابق جس چشمہ فیض سے چاہے سیرابی حاصل کرے۔ مقصد سب کا متعین اور ایک تھا۔

اس زمانہ خیر کے بعد بنو امیہ کے دور میں بھی سیاسی اعتبار سے خواہ کچھ خرابی آگئی ہو۔ مگر تعلیمی جدوجہد برابر ترقی کرتی رہی اسی زمانہ میں مختلف علوم سینوں سے سفینوں میں منتقل ہونے لگے۔ اور یونانی علوم و فنون بھی عربی قالب میں ڈھال دیے گئے اس دور کے خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تو اشاعت تعلیم پر خاص توجہ فرمائی۔ معلمین کو فکر معاش سے مستثنیٰ کر کے اور طلبہ

© rasailojaraid.c

© rasailojaraid.c

کو وظائف دے کر افادہ اور استفادہ کا شوق عام کر دیا۔

اس سارے زمانے میں تعلیم کا طریقہ یہ تھا کہ ایک استاذ کھڑا ہو کر لیکچر دیتا اور طلبہ اس کو بغور سنتے اور اس کے افادات قلمبند کرتے جاتے تھے۔ عربی میں یہ طریقہ "اِملاء" کہلاتا ہے۔ اور تعلیم بالغاں کے لیے اس سے بہتر طریقہ شاید دوسرا نہ مل سکے۔ علامہ ذہبی نے طبقات میں لکھا ہے کہ "اس زمانے کے بعض حلقۂ درس ایسے ہوتے تھے جس میں دس ہزار سے زائد دواتیں رکھی جاتی تھیں۔ اور لوگ احادیثِ نبوی لکھتے تھے"۔

اس دور کے بعد عہدِ عباسیہ میں سن ۴۰۰ھ سے باضابطہ مدارس کا آغاز ہوا۔ جس کی تفصیل ہمارے مقصد کے لیے غیر ضروری ہے، جو اجمالی خاکہ قرنِ اوّل سے دورِ بنو امیہ تک پیش کیا گیا ہے۔ اس پر غائر نظر ڈال کر ہم اپنے ملک میں تعلیمِ بالغاں کے طریقے بہ آسانی مدون کر سکتے ہیں۔

راقم کے ذہن میں اس کا ایک اجمالی خاکہ یہ ہے۔

— ہماری آبادی کا بیشتر حصہ ناخواندہ ہے، ان کے لیے "املاء" کا طریقہ ہی نہایت مؤثر ہو سکتا ہے۔ اور اس کے لیے ضرورت ہے کہ ماہرانہ دینی تعلیم رکھنے والے افراد کو ایک تنظیم کے تحت ساری مملکتِ پاکستان میں پھیلا دیا جائے۔ جو دین کی بنیاد کو لوگوں کے ذہن میں راسخ کر دیں تاکہ اس بنیاد پر ان کی ہمہ جہتی ترقی نشوونما پا سکے۔

علماء کی یہ جدوجہد مساجد تک محدود نہ رہے۔ کیونکہ ضرورت تو ان لاکھوں کروڑوں افراد میں شعور پیدا کرنے کی ہے جن کے قدم مسجد کی طرف بڑھتے ہوئے ٹھٹک کر رہ جاتے ہیں۔

۲— ایسے اہلِ علم بلا اُجرت خدمت انجام دے سکیں تو کیا ہی کہنا ہے۔ مگر حالاتِ حاضرہ کے پیشِ نظر ایسے ایثار پیشہ افراد چند ہی نکل آئیں تو حیرت کی بات ہو گی۔ اس لیے ان کے معاشی بندوبست کے دو طریقے ہو سکتے ہیں۔ یا تو حکومتِ وقت ان کو بقدرِ ضرورت وظائف مقرر کر کے ان کی کارکردگی پر نظر رکھے، یا پھر غیر حکومتی مجلسِ تنظیمی ان کی معاشی کفالت کی ضامن بن جائے۔ اور چندوں اور عطیات کے ذریعہ مالیہ کی فراہمی کے سامان ہوں۔

۳— مذکورہ ہمہ وقتی معلمین کے سوا ہر ذی علم مسلمان اپنے وقت کا کچھ حصہ اس کام کے لیے نکالے اور ماہانہ یا ہفتہ وار کچھ وقت نکال کر تعلیمِ بالغاں کی خدمت بہ نیتِ عبادت انجام دے۔

۴— مملکت کے شہروں اور قصبات کے ہر محلہ میں روزانہ کم از کم تین آیاتِ قرآنی کی تفہیم اور چند ضروری مسائل کی تلقین کا اہتمام کیا جائے۔

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

۵۔ ہر مسلمان خواہ جہاں کہیں بھی اور جس حیثیت میں بھی ہو اپنے مقصد زندگی اور اپنی حیثیت اصلی کو نہ بھولے اور بحیثیت مسلمان اپنی ذمہ داریوں کا اظہار گفتگو میں کرتا رہے[۱] تاکہ اس سے خود اس کی اور اس کے مخاطب کے ایمان کی تازگی برقرار رہے۔ احیاء دین کا یہ نہایت آسان اور مؤثر طریقہ ہوگا۔

۶۔ اب تک جو مشورے پیش کیے گئے وہ عام ناخواندہ یا کم علم افراد میں کام کرنے سے متعلق تھے۔ ہمارے اندر ایک خاص طبقہ پڑھے لکھے بگڑے دماغوں کا بھی ہے۔ اور ان کی اصلاح بھی تعلیم بالغاں کے تحت آتی ہے اور فکر و نظر کی درستگی کے بعد یہی طبقہ مبلغین اسلام کا بہترین گروہ بن سکتا ہے۔ اس طبقہ میں کج فہمی چونکہ فلسفہ کلام یا مختلف "ازمس" کی راہ سے آئی ہے۔ اس لیے ان کی اصلاح کی خاطر ایسے ادبی حلقے (Literary Circles) قائم کیے جائیں جہاں ان کے نقطۂ نظر کو تحمل اور خندہ پیشانی سے سن کر ان کا غیر مناظرانہ اور تشفی بخش جواب دیا جا سکے اور ان کے سامنے اسلام کی غایت اور اس کے مطالبات کو ان کے انداز فہم (Method of Approach) کی رعایت کے ساتھ پیش کیا جا سکے۔
اس کام کے لیے ایسی بالغ نظر ہستیاں درکار ہوں گی جن کی نگاہ میں دین کا عمق بھی ہو اور تقاضائے وقت کو سمجھ کر حقائق دینی کو قابل قبول انداز میں پیش کرنے کی صلاحیت بھی ہو۔ یہ کام یونیورسٹیوں اور اعلیٰ دینی مدارس کے زیر سرپرستی توسیعی تقاریر (Lectures) کی صورت میں بخوبی انجام پا سکتا ہے۔ ع

این قدر گفتیم باقی فکر کن۔

---

[۱] آیت پاک : ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین (فصلت) کے آخری جزو "وقال اننی من المسلمین" کے نفسیاتی رمز کو پوری طرح محسوس نہیں کیا گیا۔ ورنہ اس استحضار اور اظہار کی تلقین میں مسلم معاشرہ کی اصلاح کی مؤثر ترین تدبیر موجود ہے۔ کاش ! اس کو برت کے دیکھا جائے۔

© rasailojaraid.c